تحقیق کے اصول و مبادی

ترتیب و پیشکش:حافظ عتیق الرحمان گورچانی(متعلم پی ایچ ڈی اسلامیات)

1۔عصر حاضر میں تحقیق کی ضرورت و اہمیت:

تحقیقی کی لغوی معنی 'حقٰ' سے ہیں، جس کا مطلب ہے سچائی کو پرکھنا، جانچنا اور حقائق کو کھوجنا۔ اصطلاحی طور پر، تحقیق کا مطلب ہے کسی مسئلے کو درست اور باقاعدہ طریقے سے اس کی دلیل کے ساتھ ثابت کرنا، یا سائنسی، سماجی، ادبی اور دیگر میدانوں میں حقائق کی دریافت اور وضاحت کے لیے منظم جدوجہد کرنا۔

لغوی تعریف:تحقیق کا لفظ 'حق' سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے درست اور مستحکم چیز۔اس کے لغوی معنی پرکھنے، چھان بین کرنے، اور سچائی کو کھوجنے کے ہیں۔ سات پردوں میں چھپی ہوئی سچائی کو دریافت اور ترتیب دینے کے عمل کو بھی تحقیق کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:اصول کی بنیاد پر: تحقیق کا مطلب ہے کسی مسئلے کو اس کی مناسب دلیلوں کے ساتھ ثابت کرنا، جیسا کہ حضرت علامہ شریف جرجانی نے بیان کیا ہے۔ **منظم جدوجہد:** یہ کسی خاص شعبے میں حقائق اور اصولوں کو دریافت کرنے کے لیے ایک منظم کوشش ہے۔ **مسئلے کا حل:** تحقیق ایک منظم مطالعہ ہے جو کسی مسئلے کی وضاحت یا اس کے حل کے لیے کیا جاتا ہے۔**حقائق کی تصدیق:** یہ علمی حقائق کی صحت کی تحقیق، ان میں ترمیم یا اضافہ کرنے کی باقاعدہ اور مربوط فکری و علمی جدوجہد ہے۔**نظریے کی تصدیق**: استدلال، شواہد اور ذرائع کی بنیاد پر کسی نظریے کو ثابت کرنے یا کسی چیز کی حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے کی جانے والی منظم کوشش بھی تحقیق ہے۔

قرآن میں تحقیق کی ضرورت و اہمیت:فکر و تدبر کا حکم: قرآن میں اللہ تعالی نے بار بار غور و فکر اور تدبر کی تاکید کی ہے، جو تحقیق کی بنیاد

ہے۔ آیات کو سمجھنے کے لیے گہری سوچ کی ضرورت ہوتی ہے۔**حفاظت اور درست فہم**: قرآن وہ واحد کتاب ہے جو تحریف سے پاک ہے۔ اس کے حقیقی معنی سمجھنے اور کسی غلط فہمی سے بچنے کے لیے تحقیق ضروری ہے۔**نظریات کو واضح کرنا:** قرآن کے ذریعے زندگی کے مقاصد، نظریات اور اصولوں کو سمجھنے کے لیے تحقیق کا پہلا مقصد نظریات کو واضح کرنا ہے۔ **معلومات کی تصدیق**:قرآن میں ہر ملنے والی خبر پر بغیر تحقیق فیصلے صادر کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ اطلاع میں ردوقدح اور تکذیب کا عنصر پنہاں ہوسکتا ہے۔

سنت میں تحقیق کی ضرورت و اہمیت:قرآن کا عملی نمونہ: سنت، قرآن کی عملی تشریح ہے۔ اس کے صحیح فہم کے لیے سنت کی روایات، ان کے سیاق و سباق اور احوال کی تحقیق ناگزیر ہے۔**حقیقتوں کو اکٹھا کرنا**: تحقیق کا دوسرا مقصد حقائق کو ایک جگہ اکٹھا کرنا ہے، اور یہ سنت کے تمام پہلوؤں سے متعلق حقائق کو جمع کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔**نئی نسل کی رہنمائی:** صحیح اور مستند سنت کی بنیاد پر ہی آنے والی نسلوں کو دین کی صحیح رہنمائی دی جا سکتی ہے۔

اجتماعی اور معاشرتی اہمیت:مسائل کا حل: تحقیق کے ذریعے ان معاشرتی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے جو لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔**لوگوں کے لیے فائدہ**: تحقیق صرف انفرادی فائدے کے لیے نہیں، بلکہ ایسے نتائج سامنے لاتی ہے جو پوری انسانیت کے لیے فائدہ مند ہوں۔**آنے والی نسلوں کے لیے بنیاد:** تحقیق کا کام کرنے والے اپنی محنت سے آنے والے لوگوں کے لیے ایک بنیاد فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ تحقیق کو آگے بڑھا سکیں۔

عصر حاضر میں تحقیق کی ضرورت اور اہمیت:عصر حاضر میں تحقیق کی ضرورت و اہمیت اس لئے مسلم ہے کہ اس سے متعلق حسب ذیل امور کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔**مسائل کا حل:** تحقیق معاشرتی، سائنسی اور دیگر شعبوں میں درپیش پیچیدہ مسائل کو

سمجھنے اور حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔**علم میں اضافہ:** یہ تخلیقی اور منظم عمل ہے جو موجودہ علم کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے اور نئے حقائق دریافت کرتا ہے۔**معاشرتی بہتری:** یہ معاشرے کے افراد کی زندگیوں کو بہتر بنانے اور سماجی طرز عمل میں تبدیلی لانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔**تکنیکی ترقی:** سائنسی تحقیقات جدید ٹیکنالوجی اور ایجادات کی بنیاد ہیں، جو انسانی زندگی میں آسانی پیدا کرتی ہیں۔**نئے راستے:** تحقیق نئے راستے اور امکانات کھولتی ہے جس سے انسان کی زندگی میں ترقی اور آسانی آتی ہے۔**صحیح فیصلے:** تحقیق کے ذریعے حاصل کردہ معلومات اور تجزیہ صحیح فیصلے لینے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، جس سے تعصب اور غلطیوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔**عالمی مسائل کا ادراک:** تہذیبوں کے تصادم اور علاقائی ثقافتوں کے اختلاط سے پیدا ہونے والے نئے مسائل کے حل کے لیے تحقیق ضروری ہے۔

تحقیق کے مراحل:تحقیق کی تکمیل کے لیے ایک منظم طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے: ،موضوع کا انتخاب،مسئلے کی نشاندہی،علمی مواد کا مطالعہ،تحقیقی خلا (Research Gap) کی تلاش،مفروضہ بنانا،تحقیقی ڈیزائن تیار کرنا،تجربہ کرنا،اعداد و شمار کا تجزیہ،تائج کی تشریح،رپورٹ تیار کرنا۔

2۔تحقیق کی خصوصیات و لوازمات:

تحقیق کی اہم خصوصیات میں نئے علم کی تخلیق، حقائق کی جانچ پڑتال، اور کسی موضوع کی گہرائی سے تجزیہ شامل ہیں۔ تحقیق میں منظم انداز سے کسی مسئلے کو سلجھایا جاتا ہے اور اس کے نتائج دوسروں کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔ تحقیق کی کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں: **علم کی تخلیق:** تحقیق کا مقصد کسی خاص موضوع پر جدید علم تخلیق کرنا ہے۔**عملی اور فائدہ مند:** تحقیق کے نتائج عام طور پر معاشرتی مسائل کو حل کرنے یا نئی معلومات فراہم کرنے میں مدد دیتے ہیں، جو دوسروں کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔**جامع اور تفصیلی مطالعہ:** تحقیق کسی بھی موضوع کے تمام پہلوؤں کا گہرائی سے اور منظم مطالعہ کرتی ہے۔**تجزیاتی انداز:**

اس میں کسی موضوع یا مواد کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور پھر ہر حصے کا الگ الگ مطالعہ کیا جاتا ہے۔حقائق پر مبنی: تحقیق حقائق پر مبنی ہوتی ہے اور اس میں صداقت کو جانچنے کے لیے تنقیدی زاویہ نظر اپنایا جاتا ہے۔**علمی اور سنجیدہ:** تحقیق میں سنجیدہ اور عالمانہ بحث ہوتی ہے اور یہ عام طور پر خاص قارئین کے لیے لکھی جاتی ہے۔**مستند دستاویزات کا استعمال:** کئی قسم کی تحقیق میں مستند اور تاریخی دستاویزات کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے کہ دستاویزی تحقیق

ڈاکٹر عبدالحمید عباسی صاحب کی کتاب میں تحقیق کی خصوصیات کے سلسلہ میں پانچ بنیادی خصوصیات بیان ہوئی ہیں،مسئلہ تحقیق کی تحدیدو نوعیت، تحقیق کا طریقہ کار کا تعین، مواد تحقیق کا تجزیہ کرنا،تحقیق سے حاصل شدہ نتائج کا بیان اور خاکہ تحقیق کی تیاری۔اس کے علاوہ مزید اہل علم کی جانب سے تحقیق کی خصوصیات میں عمل تحقیق کا انسانی حیات سے منسلک ہونا، تحقیق میں ماضی و حال اور مستقبل کے مابین ربط و تعلق جوڑنا، مواد کو درست انداز سے مرتب کرنا،مرور زمانہ کے ساتھ علم و فن کی انسانی ضرورت کے لحاظ سے ترقی پذیر ہونا،تحقیق شخصی کو حتمی نہ سمجھنا بلکہ یہ ایک بحر بے کراں اور تغیر و تبدل پذیر ہوتی ہے۔

تحقیق کے اہم لوازمات:**مسئلہ تحقیق کی شناخت:** تحقیق کے لیے ایک ایسا موضوع منتخب کرنا جو واضح ہو اور جس کی حدود متعین کی جا سکیں.**جدت اور تخلیق**: تحقیق میں ایسی نئی معلومات اور نتائج پیش کرنا جو پہلے موجود نہ ہوں.**حیاتیت وواقعیت**: تحقیق کا موضوع حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے اور اسے حقیقی حقائق کو سامنے لانا چاہیے.**مصادر تحقیق کی دستیابی**: تحقیق کے لیے ضروری تمام ذرائع، جیسے کتب، مضامین اور دیگر ریکارڈز، باآسانی دستیاب ہونے چاہئیں.**وسیع مطالعہ**: اپنے موضوع سے متعلق تمام موجودہ کام اور لٹریچر کا گہرائی سے مطالعہ ضروری ہے.**دوسروں کی آرا کی تفہیم**: دوسرے محققین کے نظریات اور آرا کو باریکی سے سمجھنا

اور ان کا تنقیدی جائزہ لینا.**اسلوب کی عمدگی**: تحقیق کی زبان سادہ، صاف اور قوتِ بیان کے ساتھ قابلِ فہم ہونی چاہیے.**تحقیقی خاکہ**: تحقیقی مقاصد اور حاصلات کے مطابق ایک مفصل اور منظم خاکہ بنانا تاکہ تحقیق کا عمل منظم رہے.**مفروضہ:** تحقیق سے پہلے ایک مجوزہ وضاحت (hypothesis) قائم کرنا جو بعد میں تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر جانچی جا سکے۔

ڈاکٹر عبدالحمید عباسی صاحب نے تحقیق کے لوازمات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ تحقیق کرنے والے کی تحقیق ان لوازمات سے مزین ہونی چاہیے۔محقق عمل تحقیق کو زندگی کا جزو لازم بنالے، محقق کی لگن سچی ہو کہ پیش آنے والی تکالیف سے آزردہ نہ ہو، علوم و فنون سے واقفیت ہونی چاہیے، مصادر و مراجع کی معرفت،زبانوں کو علم رکھتا ہوکہ تحقیقی مواد حاصل کرنے میں دشواری پیدا نہ ہو۔تحقیقی مواد حاصل کرنے کے طرق اور ذرائع سے واقف ہونا چاہیے،معلومات کی فحص و تمحیص کی گئی ہو۔مواد کی ترتیب و تقسیم اور مقالہ کی تسوید اورتبیض کے مقالہ مکمل لکھنے کے بعد اس پر نظر ثانی کرے۔اور مقالہ کی زبان سادہ، مؤثر و رنجیدہ،الفاظ کا انتخاب، اقتباسات کا موقع و محل پر استعمال،تحقیق سے حاصل شدہ نتائج و سفارشات بھی درج کی گئیں ہوں۔

3۔محقق کے اوصاف:

ایک اچھے محقق کے نمایاں اوصاف میں علمی دیانتداری، غیر جانبداری، نظم و ضبط، صبر، اور سچائی شامل ہیں. انہیں تحقیق میں دلچسپی، ذہانت، اور سخت محنت کے لیے تیار رہنے کا جذبہ بھی ہونا چاہیے. اس کے علاوہ، ایک محقق کو اخلاقی اصولوں پر کاربند، سچائی کا متلاشی اور ہٹ دھرمی سے پاک ہونا ضروری ہے۔

. **اخلاقی اور پیشہ ورانہ اوصاف**:علمی **دیانتداری**: تحقیق اور نتائج میں سچائی اور انصاف کو قائم رکھنا.،**غیر جانبداری**: ذاتی تعصبات یا مفادات سے پاک رہ کر حقائق کا جائزہ لینا.،**اخلاقی اصولوں کی پابندی**: تحقیق کے دوران اخلاقی ضابطوں کی پیروی کرنا.،**نظم و**

نسق: تحقیق کو منظم طریقے سے کرنے کی صلاحیت.،**عالمی نقطہ نظر**: دنیا بھر کے متعلقہ علم اور زبانوں سے واقفیت رکھتا ہو.،**علم کا غرور نہ ہونا**: تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کرنا.،

ذہنی اور فکری اوصاف:دلچسپی اور لگن: تحقیق کے موضوع میں گہری دلچسپی اور لگن رکھنا.**صبر و تحمل**: تحقیق میں صبر اور عجلت سے پرہیز کرنا.**ذہانت:** حاضر دماغی اور سوچ بچار کی صلاحیت.**سچائی پسندی**: حقائق کو تلاش کرنے اور پیش کرنے کا جذبہ.**تنقیدی سوچ:** غیر مدلل آراء سے گریز کرنا اور ہر بات پر سوال کرنا.**یادداشت:** ایک اچھا حافظہ ہونا.عملی اور ہنرمندی کے اوصاف:**اچھا حافظہ**: حقائق اور تفصیلات کو یاد رکھنے کی صلاحیت.**ٹھوس ذہنیت:** سائنس دان کی طرح قطعیت پسندی اور ٹھوس انداز میں سوچنا.**مختص کرنا**: اپنے ذہن کو کام پر مرکوز کرنے کی صلاحیت.**کھوج کا جذبہ:** نامعلوم کو معلوم کرنے کی خواہش رکھنا.

مذکورہ بالا اوصاف میں مذکور چند صفات ڈاکٹر عبدالحمید عباسی صاحب نے یہ بیان کی ہیں:ضدی نہ ہو کہ درست و مدلل بات قبول کرے، دنیاوی مقاصد کے حصول کی تمنا نہ رکھتاہو،معتدل ، متوازن اور منصف مزاج ہو، اخلاقی جرأت کا حامل ہوکے دیانت داری کی صفت سے متصف ہوحق و سچ ہی بیان کرے۔

محقق کو چانچنے کے لئے لازم ہے کہ قوت استدلال،جدت افکار اور قوت اختراع و ابتکار علمی کا حامل ہونا چاہیے،چست و تیز اور اثر پذیر رکھتاہو،بیدار مغز اور قابل اعتماد مشاہدہ کی صلاحیت سے متصف ہو اور جسمانی و ذہنی تندرستگی رکھتاہو۔

4۔معیاری تحقیقی مقالہ کی خصوصیات:

ایک عرب عالم نے معیاری مقالہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحقیقی مقالہ وہ ہوتاہے کہ محقق اپنے علم و فکر کے نتیجہ میں جو مدعا یا مافی الضمیر ظاہرکرے وہ دلائل و براہین سے مدل و موثق ہونا چاہیے۔

معیاری تحقیقی مقالہ میں جن صفات کاپایا جانا ضروری ہے ان کی تفصیل ذیل میں اجمالاً درج کی جاتی ہے:۔

گہرائی اور وضاحت: مقالہ میں موضوع کا مکمل اور گہرائی سے جائزہ لیا گیا ہو، اور تمام نکات واضح اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہوں۔**مناسب اسلوب**: تحریر کا انداز سنجیدہ اور اثر انگیز ہونا چاہیے، جو قارئین کی دلچسپی کو برقرار رکھے۔تکرار سے پاک: الفاظ اور جملوں کا تکرار نہیں ہونا چاہیے، اور عام فہم زبان استعمال کرنی چاہیے۔**اصلیت**: مقالہ کا مواد اصل اور نیا ہونا چاہیے، اور تحقیق کے ذریعے نئے نتائج تک پہنچنا چاہیے۔**مضبوط دلائل**: مقالہ میں پیش کیے گئے نکات کو ٹھوس دلائل اور ثبوت و شواہد کی مدد سے مضبوط کیا جانا چاہیے۔**موضوع کی حد بندی:** تحقیقی مقصد کی وضاحت اور حد بندی واضح ہونی چاہیے۔**تکمیل:** مقالہ میں تمام ضروری اجزاء، جیسے تعارف، تحقیق، نتائج، اور اختتامیہ شامل ہونے چاہئیں۔

ڈاکٹر عبدالحمید عباسی صاحب نے مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ مواد تحقیق کو مرتب و منظم انداز سے پیش کیا جائے، مقالہ کی معلومات حاصل کرکے اس کو ترتیب سے ابواب و فصول میں موضوع کی مناسبت سے درج کیا جائے اور حاصل شدہ ثمرات و نتائج کو بھی بیان کیا جائے۔اسلوب نگارش شستہ و معیاری ہونا چاہیے، مقالہ ماضی و ماضی قریب کے صیغے سے لکھا جائے،ضمائر متکلم کا استعمال کم ہونا چاہیے، صیغہ فاعل کا استعمال مفعول کی نسبت زیادہ ہو، گنتی سو تک حروف میں جبکہ سوسے زائد اعداد میں لکھی جائے، اختصار کو اختیار کیا جائے، جدت افکار یعنی قیاس و تخیل کا عمل دخل ہونا چاہیے، اقتباسات کا برموقع و محل پر استعمال ،جملوں اور پیراگراف میں ربط و تعلق ہو،نظرثانی اس احتیاط سے کی جائے کہ حذف و اضافہ، جملوں کی ساخت و زبان کی درستگی، اختلافی نکات سے اجتناب، تحقیقی حسن کا اظہار،تکمیل مقالہ کے بعد نظر ثانی ہونی چاہیے، کتابت عمدہ و معیاری ہو۔

ہئیت مقالہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ سرورق، بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہدیہ تشکر، فہرست مضامین، ابواب و فصول اور مباحث کے ساتھ خلاصہ و نتائج اور سفارشات ،ملحقات و ضمیمہ ،اشاریہ سازی و مصادر و مراجع کی فہارس شامل ہونی چاہیے۔

5۔رموز اوقاف اور ان کا استعمال:

مفہوم یہ ہے کہ کسی تحریر کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عبارت کے الفاظ و جملوں کو الگ الگ کیا جائے اور اس علیحدہ کرنے کی اہل علم نے چند علامات مقرر کی ہیں جنہیں رموز اوقاف کہا جاتا ہے۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لکھا ہے رموز رمز کی جمع ہے اور اوقاف وقف کی جمع ہے۔مراد وہ نشانیاں اور علامتیں ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے یا کسی جملے کے اجزاء کو ایک دوسرے سے جداکرسکیں ۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے رموز اوقاف کو "اوقاف قرأت " قراردیا ہے۔ وہ علامتیں جو تحریری فقروں میں الفاظ کے مابین لکھے جاتے ہیں اور جن سے جملوں کی تقسیم اور درست تفہیم حاصل ہوتی ہے۔

تاریخی پس منظر:اٹھارویں صدی سے قبل رموز اوقاف کا استعمال مروج نہیں تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اردو کے جملے نہایت مختصر اور فعل پر ختم ہوتے تھے جس کے باعث جملے کے آغاز و اختتام کا علم ہوجاتا ہے۔ جبھی اس کے استعمال کی ضرورت پیش نہ آئی۔ البتہ چند ایک قلمی نسخوں میں واوین اور بریکٹ کا استعمال ملتا ہے۔سر سید احمد خان نے اردو زبان کے لئے انگریزی کے رموز اوقاف کو استعمال کرنے کا رواج شروع کیا۔ڈاکٹر صدیق خان کہتے ہیں رموز اوقاف کا استعمال انگریزی کے زیر اثر شروع ہوا۔

اردو زبان کے لئے سرسید کے معاصر غلام محمد نے "نجوم العلامات"کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں قرآنی رموز کو ہی بیان کیا جبکہ سرسید نے اس کی مخالفت کی کہ قرآن کے رموز اسی کا اعجاز ہیں ان کا انطباق کسی دوسری زبان پر نہیں کیا جاسکتا۔ان رموز سے استفادہ

حاصل کرنے کے لئے صرف و نحو، ادب و بلاغت، قرأت و تفسیر اور قصص وغیرہ کا علم ضروری ہے۔

رموز سے متعلق تالیفات:۱۹۰۰میں مولوی نظام الدین حسن نے علامت وقف پر مبنی رسالہ لکھا اور ۱۹۰۲ء میں اوقاف العبارات نامی رسالہ لکھا گیا بعد ازاں ۱۹۲۴میں مولوی عبدالحق کی سرکردگی میں 3 روزہ اجلاس میں رموزِ اوقاف سے متعلق سفارشات پیش کی گئیں جن کی انجمن ترقی اردو نے منظوری دیدی۔

افادیت: رموزِ اوقاف کی افادیت یہ ہے کہ ان کے استعمال کرنے سے جملہ یا جزو جملہ کی پہچان کا ذریعہ، مطلب سمجھنے میں آسانی، جملے کی تقسیم، نظر کو سکون ملنا، تحریر و تقریر کے اتار چڑھاؤکی معرفت میسر آتی ہے۔

اہمیت : رموز اوقاف کے استعمال کی اہمیت مسلم ہے کہ اس کے بجز زبان بے معنی اور سلاست سے تہی دامن رہتی ہے،تحریر میں حسن و شگفتگی پیدا نہیں ہوتی،اگر رموز کا درست استعمال نہ کیا جائے تو جملے کا معنی بدل جاتاہے جیسے روکو،مت جانے دو کا معنی کچھ اور جبکہ روکومت،جانے تو میں سکتے کے سبب جملے کا معنی تبدیل ہوجاتاہے۔اسی طرح رمز سکتہ کا قانون و ایکٹ میں استعمال سے معانی میں تغیر و تبدل واقع ہوجاتاہے یہی حال عام تحریر کا بھی ہے اس لئے تحریر میں اس کے استعمال کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اہم رموز اوقاف اور ان کا استعمال: ۔وقفہ (؛): سکتے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے وقفہ استعمال ہوتا ہے، مگر یہ اتنا لمبا نہیں ہوتا کہ سانس توڑا جائے۔ اس کا استعمال اکثر ایسے دو مکمل جملوں کو ملانے کے لیے کیا جاتا ہے جو آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہوں۔**خطِ نستعلیق/سکتہ (،):** ایک طرح کا سکتہ ہے جو اکثر قرآنی رموز اوقاف میں استعمال ہوتا ہے۔**ختمہ (۔):** جب ایک جملہ ختم ہو جاتا ہے، تو اس کے آخر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔**رابطہ: (:)**،مثال کی وضاحت کے لئے۔**سوالیہ نشان (؟):** جب کوئی سوال پوچھا جائے تو اس سوالیہ جملہ کے آخر میں اس کی علامت لگائی جاتی ہے۔**علامتِ تعجب**

(!): حیرت، خوشی، غصہ یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ **قوسین** (()): کسی جملے میں وضاحت کے لیے کوئی اضافی بات شامل کرنے کے لیے، یا کسی لفظ کے معنی بتانے کے لیے، اس کو قوسین میں لکھتے ہیں۔**علامتِ ربط (--):** دو چیزوں کو جوڑنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جیسے کہ کسی جملے میں دو فقروں کو جوڑنا۔**علامتِ تفصیل (:۔):** کسی بات کو آگے بیان کرنے یا وضاحت کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، جیسے کہ کسی چیز کی فہرست شروع کرنے سے پہلے اس کے آگے یہ علامت لگائی جاتی ہے۔ **خط(ـ):**جب جملہ ختم ہوجائے اور اس کا کچھ حصہ رہ جائے۔**واوین:("")اقتباس** و اہم نکتے کی وضاحت نقل کرنے کے لئے۔نقطے(...)کسی عبارت کے آغاز و درمیان اور آخر میں چھوڑ ی گئی عبارت کی نشاندہی کے لئے۔

6-7۔حواشی و تعلیقات:

حواشی و تعلیقات وہ تحریریں ہیں جو کسی کتاب کے متن کے ساتھ اس کی وضاحت، تشریح، یا مزید تفصیل کے لیے صفحے کے نچلے حصے (دامن صفحہ) پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ متن کے مشکل الفاظ، نظریات، یا مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں، جن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ 'حواشی' اصل میں 'حاشیۂ' کی جمع ہے جبکہ 'تعلیقات' کا مطلب بھی وضاحت کے لیے لکھی گئی اضافی معلومات ہے۔

حواشی کی تعریف اور مقاصد:تعریف: متن کے دامن میں لکھی جانے والی وہ تمام اضافی تحریریں جن کا تعلق متن کے کسی لفظ، عبارت، یا نظریے کی وضاحت سے ہو، انہیں حاشیے کہتے ہیں۔مقاصد:مشکل الفاظ اور نادر اصطلاحات کی لغوی و اصطلاحی وضاحت کرنا۔قرآنی آیات، احادیث، اور اقوال سلف کی تخریج اور وضاحت کرنا۔غیر معروف شخصیات، مقامات، اور واقعات کا مختصر تعارف فراہم کرنا۔ضرب الامثال اور اشعار کا ماخذ بیان کرنا۔مصنف کے بیان کردہ نکات کی آسان انداز میں تشریح کرنا۔کسی بات پر اختلاف کی صورت میں دلائل اور حوالوں کے ساتھ وضاحت کرنا۔کتاب کے متن کے ساتھ ساتھ ضروری حوالہ جات فراہم کرنا۔

تعلیقات کی تعریف اور مقاصد:تعریف: تعلیقات بھی حواشی کی طرح متن کی وضاحت کے لیے لکھی جاتی ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ پورے متن پر محیط ہوں یہ متن کے ان حصوں کی وضاحت کرتی ہیں جن کی ضرورت تعلیقہ نگار کو محسوس ہوتی ہے۔مقاصد:حواشی کی طرح تعلیقات بھی متن میں موجود کسی لفظ یا عبارت کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔یہ اکثر فلسفہ اور معقولات جیسی مشکل کتابوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ تعلیقات کو کبھی حواشی کے لیے متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

حواشی اور تعلیقات میں فرق:طوالت: شرح کے برعکس، جس میں پورے متن کی وضاحت ہوتی ہے، حواشی اور تعلیقات متن کے مخصوص حصوں کی وضاحت کرتی ہیں۔استعمال: تعلیقات اکثر فلسفہ جیسی پیچیدہ کتابوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں، جبکہ حواشی زیادہ عام ہیں۔ مختصر صورت: جب حواشی کی تعداد کم ہو تو انہیں تعلیق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ استاد محترم نے بتایا تھا حاشیہ مختصر جبکہ تعلیق مفصل ہوتی ہے۔

حاشیہ لکھنے کے طریقے:قدیم کتابوں میں چاروں طرف حاشیے لکھے جاتے تھے ۔اسی طرح باب یا فصل کے آخر میں: ہر باب یا فصل کے اختتام پر حاشیے لکھے جاتے ہیں یا مقالے کے اختتام پر: پورے مقالے یا کتاب کے اختتام پر۔جبکہ آج کل حاشیہ و تعلیق صفحے کے نیچے ہی لکھ دیا جاتا ہے۔

نکتہ:حواشی و تعلیق کا غیر ضروری استعمال درست نہیں ،معروف شخصیات و مقامات کے حاشیے نہ لکھےجائیں، بوقت ضرورت وضاحت و تبصرہ کے لئے حاشیے لکھا جائے۔ حاشیہ مختصر و جامع ہونا چاہیے۔**افادیت**: حاشیہ و تعلیق کی افادیت یہ ہے کہ نئے محقق کے لئے معلومات ایک ہی مقام پر دستیاب ہوتی ہے۔

حواشی کی اقسام: متن سے متعلق حواشی، تصنیفی حواشی کسی مصنف کی معلومات درج کرنے پر اس کا تذکرہ کرنا علامہ اقبال نے گوئٹے کا تذکرہ حواشی میں درج کیا، غیر متنی حواشی یعنی توضیح و تشریح کے

حواشی،ترتیبی حواشی کے مختلف نسخوں کا تجزیہ و تقابل کرنا، توثیقی حواشی یعنی مصادر و مراجع کی وضاحت کرنے والے حواشی۔اسی طرح ماخذ کی اطلاع دینے والے حاشیے کو حوالہ جبکہ ماخذ سے حاصل شدہ معلومات پر تبصرہ کرنے والے کو حواشی کہا جاتا ہے۔

8۔حوالہ جات:

تحقیقی مقالے میں درج معلومات کو موثق کرنے کی خاطر اس کو باحوالہ درج کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مصادر کی نشاندہی، مقالہ کی طرف متوجہ کرنا، حوالہ عبارت، اقتباس کا حوالہ، مصنف کے نظریات و دلائل کی نشاندہی، اکثر اوقات اصلی مصدر سے معلومات لے کر ان کا حوالہ درج کیا جاتا ہے ،عدم دستیابی کی صورت میں ثانوی مصدر و مرجع سے استفادہ کرنے کی اجازت ہے۔مقالہ میں مذکور حقائق و اعداد کا حوالہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔

مصادر و منابع کی اقسام: الہامی و غیرالہامی کتب، عام کتب، مختلف مصنفین کے مضامین کے مجموعہ پر مشتمل کتب، مجلات میں مضامین، اخبارات، انسائیکلوپیڈیا، لغت، مخطوطات، روداد کانفرنس و اجلاسات، قانونی کتب، محقق کے ذاتی خطوط وغیرہ ۔

قرآنی آیات کا حوالہ دینے کا طریقہ:القرآن،سورہ الفتح:۴۸/۱۱

احادیث کے حوالہ کا طریقہ:بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح بخاری،دارالسلام، ریاض،۱۴۱۲ھ،کتاب العلم، باب افشاء السلام من الاسلام،حدیث نمبر:۲۹،ص:۱/۸

کتاب کے حوالہ دینے کا طریقہ:بیضاوی، عبداللہ بن عمر، تفیسر بیضاوی، دارالکتب، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ،ص:۱/۲۴

ترجمہ شدہ کتاب کا حوالہ: ابن کثیر، عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، مترجم:محمد جونا گڑھی،مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۹،ص:۱/۱۱۴

مجموعہ مقالات سے حوالہ دینے کا طریقہ: الاسعدی،مولانا عبید اللہ ، کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت(عنوان مقالہ)،جدید فقہی مباحث(مجموعہ مقالات کا

نام)،مرتب: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ادارہ القرآن، کراچی، س ن، ص:۲/۷۱

9۔اقتباسات:

اقتباسات کی دو قسمیں ہیں ۔ ڈائریکٹ اقتباس اور ان ڈائریکٹ اقتباس

ڈائریکٹ اقتباس اسوقت دیا جاتاہے ۔ جب محقق کےپاس چارہ کار نہ ہو کہ اقتباس کے بغیر بات واضح و مدلل نہ ہوسکے۔اقتباس ڈائریکٹ زیادہ سے زیادہ 30 فیصد تک دینے کی مشروط اجازت ہے جبکہ عمومی منقولات 19 فیصد تک مقالہ میں اجازت دی گئی ہے۔

ڈائریکٹ اقتباس 8 سے 10 سطور کے درمیان ہونا چاہیے جبکہ اقتباس زیادہ طویل ہونے کی صورت میں اس میں نقطے(۔۔)کا استعمال کرکے کچھ عبارت حذف کی جاتی ہے یا پھر پہلے اور دوسرے پیرے کے درمیان محقق اپنی معروضات پیش کرے پھر دوسرے پیراگراف میں اقتباس درج کرے۔

ڈائریکٹ اقتباس کے لئے ضروری ہے کہ وہ متن کی نسبت صفحے کے دونوں جانب پوائینٹ 5 کے مارجن پر لکھا جائے کہ متن و اقتباس میں فرق معلوم ہوسکے۔

ان ڈائریکٹ اقتباس میں محقق مصنف کی بات کو اپنے انداز میں پیش کرتاہے اور اس میں ضروری نہیں ہوتاکہ صفحے کا مارجن چھوڑاجائے اور نہ ہی متن و ان ڈائریکٹ اقتباس میں فرق رکھنا ضروری ہے۔

10۔اشاریہ سازی:

عصر حاضر میں کتب و مقالات کے آخر میں اشاریہ سازی کی فہارس مرتب کی جاتی ہے جس کا مقصد ہوتاہے مقالہ میں مذکور، آیات قرآنی، احادیث نبوی، غیر معروف ناموں ، اصطلاحات، مقامات و شخصیات کی توضیع الف بائی(حروف تہجی کے اعتبار سے)مع مقالہ کے صفحہ نمبر وضاحت و تفصیل درج کی گئی ہو۔اس کا مقصد یہ ہوتاہے کہ قاری کو مقالہ کا اشاریہ دیکھ کر مقالہ کی اہمیت و ضرورت کا آسانی سے علم حاصل ہوجائے اور وہ نامعلوم معلومات کا علم حاصل کرسکے اور مطلوبہ معلومات کی طرف وقت ضائع کیے بغیر متوجہ ہوسکے۔